مقالات

اختلافی مسائل اور ان کا نقطۂ عدل

(۳)

از افاداتِ حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

(ماخوذ از حجۃ اللہ البالغہ)

چند مسائل اور ہیں جن کی اصلیت کے بارے میں ایک عام اور عجیب غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے، اور درحقیقت یہی غلط فہمی موجودہ اختلافات کا سرچشمہ ہے۔ ہم انہیں یہاں مجملاً بیان کرنا چاہتے ہیں:-

لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ فقہ کی وہ تمام تفریعات جو ان لمبی لمبی شرحوں اور فتاوے کی موٹی موٹی کتابوں میں موجود ہیں، سب کی سب امام ابو حنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے اقوال ہیں۔ وہ ان اقوال میں تمیز نہیں کرتے کہ فلاں قول ان ائمہ کا واقعی قول ہے اور فلاں قول ان کی رایوں اور فتووں کو سامنے رکھ کر بعد میں مستنبط کیا گیا ہے۔ اور یہ جو ان کتابوں میں "علی تخریج الکرخی کذا" اور "علی تخریج الطحاوی کذا" کے الفاظ آیا کرتے ہیں ان کو وہ گویا بے معنی سمجھتے ہیں۔ اسی طرح "قال ابو حنیفۃ کذا" (امام ابو حنیفہ نے یوں فرمایا ہے) اور "جواب المسئلۃ علی مذہب ابی حنیفۃ کذا" (امام ابو حنیفہ کے مذہب کے مطابق مسئلہ کا جواب یوں ہے) کے درمیان وہ کوئی فرق و امتیاز نہیں کرتے۔ اور ابن الہمام و ابن نجیم وغیرہ محققینِ حنفیہ کا مسئلہ دہ دردہ اور مسئلہ شرط تیمم[1] اور ایسے دوسرے مسائل کے بارے میں یہ فرمانا کہ "در اصل یہ امام ابو حنیفہ کا قول نہیں ہے بلکہ بعد والوں کی تخریجات ہیں"، ان کے نزدیک بالکل ناقابلِ اعتنا ہے۔ اسی طرح بعض اربابِ علم و مشیخت اس وہم میں مبتلا ہیں کہ مذہب حنفی کی بنا انہی جدلی بحثوں پر

[1] حنفیہ کے یہاں تیمم کی اجازت بس وقت مل سکتی ہے جبکہ آدمی پانی سے ایک میل دور ہو۔

قائم ہے جو المبسوط، الہدایہ اور التبیین کے صفحات میں پھیلی ہوئی ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ ان کے مذہب کی بنا ان بحثوں پر نہیں ہے، بلکہ اس طریق بحث وجدل کے بانی در اصل معتزلہ ہیں، جسے متاخرین نے اس خیال سے اختیار کر لیا تھا کہ اس سے طلبہ کے ذہن میں تیزی اور وسعت پیدا ہوگی، اگرچہ ان کی تمنا بار آور نہ ہوئی اور ان کے اس طرز عمل نے دماغوں کو جلا اور وسعت دینے کے بجائے انہیں بے بصیرتی اور تعصب کی تنگنائیوں میں گھیر کرنا کارہ بنا دیا۔

ہم اس جگہ ان اوہام اور شکوک کی تردید میں لمبی گفتگو نہیں کرنی چاہتے، کیونکہ اس باب کی تمہید میں جو کچھ ہم بیان کر چکے ہیں اس کی روشنی ان میں سے اکثر کا خود بخود ازالہ کر دیتی ہے۔

(۲) بہت سے لوگ اس غلط فہمی میں پڑے ہوئے ہیں کہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے اختلافات کی اساس وہ اصول ہیں جو اصول بزدوی وغیرہ کتابوں میں درج ہیں، حالانکہ ان میں سے اکثر اصول ایسے ہیں جن کا ذکر ان بزرگوں نے کبھی نہیں کیا، بلکہ وہ ان کے اقوال و فتاوی کو سامنے رکھ کر بعد میں وضع کئے گئے ہیں۔ مثلاً میرے نزدیک فقہ کے حسب ذیل اصول ائمہ کے کلام سے بعد والوں نے نکالے ہیں اور امام ابو حنیفہ یا صاحبین سے کوئی صحیح روایت ایسی منقول نہیں جس میں یہ اصول مذکور ہوں۔

"خاص اپنے حکم میں خود واضح اور مبین ہے، اس کے ساتھ کوئی تشریحی بیان ملحق نہ کیا جائے گا۔"

"کسی حکم پر اضافہ اس حکم کا نسخ ہے۔"

"خاص کی طرح عام بھی قطعی ہے"

"کثرتِ رواۃ لازمۂ ترجیح نہیں۔"

"غیر فقیہ راوی کی روایت اگر اصول و قیاس کے خلاف ہو تو واجب العمل نہیں۔"

"مفہوم شرط اور مفہوم وصف کا کوئی اعتبار نہیں۔"

اس قسم کے بہت سے اصول فقہیہ ایسے ہیں جن کی تعیین و تفریع سے ائمہ کو کوئی تعلق نہیں، اور ایسے

اصولوں کی محافظت کرنا اور ان پر وارد ہونے والے اعتراضات کو بڑے تکلفات کے ساتھ دفع کرنا، متقدمین کا طریقہ نہ تھا۔ ان کی محافظت و مدافعت ہماری توجہ کی صرف اسی قدر مستحق ہے جس قدر ان کے خلاف اصول و قواعد فقہ کی۔ اگر ان پر وارد ہونے والے اعتراضات کا جواب دینے میں تکلف سے کام لیا جائے جیسا کہ عام لوگوں کا شیوہ ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ دوسرے اصول کو اس جوشِ حمایت سے محروم رکھا جائے۔

اب ہم چند مثالیں دیکر اس حقیقت کو واضح کرنا چاہتے ہیں۔

(۱) ان حضرات نے یہ اصول قرار دیا ہے کہ "لفظ خاص اپنے حکم میں خود واضح ہے۔ کسی تشریحی بیان کو اس کے ساتھ ملحق نہ کیا جائے گا"۔ یہ قاعدہ دراصل متقدمین کے اس فعل سے نکالا گیا ہے کہ انھوں نے آیت وَاسْجُدُوْا وَارْكَعُوْا کی بنا پر نماز میں صرف رکوع و سجود کو فرض قرار دیا اور اطمینان کو فرض نہیں ٹھہرایا درآنحالیکہ حدیث میں یہ ارشاد موجود تھا کہ "آدمی کی نماز نہیں ہوتی جب تک وہ رکوع و سجود میں اپنی پیٹھ کو پوری طرح ٹھہرائے نہیں"۔ اس ایک معاملہ میں متقدمین نے جو مسلک اختیار کیا، متاخرین نے اس سے ایک قاعدۂ کلیہ وضع کر لیا۔ مگر دیکھو کہ متعدد معاملات میں وہ خود اپنے مقرر کئے ہوئے اس قاعدے کو کس طرح توڑتے ہیں:۔

آیت وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ میں محض سر پر مسح کرنے کا حکم ہے۔ اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی ہے۔ "وَامْسَحُوْا" کا لفظ خاص ہے، قاعدۂ مذکور کی رو سے چاہئے تھا کہ سر کے مسح کی مطلق فرضیت کا فتویٰ دیا جاتا، لیکن حنفیہ یہاں اپنے اس قاعدہ کی پابندی نہیں کرتے اور اس حدیث کی بنا پر جس میں مذکور ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناصیہ کا مسح فرمایا، مسح کے لئے سر کے چوتھائی حصہ کی حد مقرر کر دیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہاں حکم خاص کے ساتھ اس کی تشریح کو کیوں ملحق کیا گیا؟

قرآن کا حکم ہے اور لفظ خاص کے ساتھ ہے کہ "زانی اور زانیہ کو کوڑے مارو"۔ مذکورہ بالا

قاعدہ کا اقتضا تھا کہ شادی شدہ اور غیر شادی شدہ سب کو کوڑے ہی مارنے کی سزا دی جاتی۔ مگر یہی احناف حدیثوں کو اس آیت کا بیان ماننتے ہوئے فرماتے ہیں کہ غیر شادی شدہ کو تو کوڑے مارے جائیں، لیکن شادی شدہ مجرم کو سنگسار کیا جائے۔ کیا یہ لفظ خاص کے ساتھ تشریح کا الحاق نہیں؟

آیت اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَھُمَا میں مطلقاً چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے۔ قاعدۂ مذکور کے مطابق چاہئے تھا کہ ایک پیسہ کی چوری پر بھی ہاتھ کاٹ ڈالا جاتا۔ لیکن اپنے مقرر کئے ہوئے اصول کو بالائے طاق رکھ کر انہی حضرات نے دس درہم کی شرط لگائی اور حدیث کو آیت کا بیان قرار دیا۔

طلاقِ مغلظ دینے کے بعد شوہر اگر ازسرِ نو مطلقہ کو اپنے نکاح میں لانا چاہے تو قرآن "حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ" کے الفاظ کے ساتھ حکم دیتا ہے کہ صرف اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ اس کے طلاق دینے کے بعد کوئی دوسرا شخص اس عورت سے نکاح کر چکا ہو۔ اس حکم کا لفظ یعنی "تَنْکِحَ" خاص ہے جو اپنے متعارف مفہوم میں ایجاب قبول تک محدود ہے۔ پس آیت سے صرف اتنی شرط نکلتی ہے کہ وہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح یعنی ایجاب قبول کرے۔ لیکن فقہائے احناف نے حدیث "حتی تذوقی عسیلتہ ویذوق عسیلتک" کو اس حکم کا بیان تسلیم کرکے نکاح کے ساتھ یہ شرط بھی لگا دی کہ وہ دوسرا شوہر اس عورت سے جماع بھی کرے۔

بتاؤ ان مثالوں میں اصول الخاص مبیّنٌ لا یلحقہ البیان کا کتنا لحاظ کیا گیا ہے؟

(ب) قراءت نماز کے متعلق نصِ قرآنی "فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ" میں "مَا تَیَسَّرَ" کا عموم چاہتا ہے کہ جتنا بھی اور جہاں سے بھی قرآن پڑھ لیا گیا نماز ہو جائے گی۔ اور حدیث "لاصلوٰۃ الابفاتحۃ الکتاب" کا ظاہری مفہوم چاہتا ہے کہ سورۂ فاتحہ کی قراءت ہر رکعت میں فرض ہے۔ لیکن قدما نے آیت کے عموم کو اپنی جگہ رکھا اور حدیث کو اس کا مخصِّص نہ مانتے ہوئے فتویٰ دیا

کہ قرأتِ فاتحہ فرض نہیں ہے۔ اسی طرح کے بعض اور اقوال سے متاخرین نے ایک کلی اصول یہ مستنبط کر لیا کہ "العام قطعی کالخاص" یعنی لفظ عام بھی اپنے حکم اور مفہوم میں خاص کی طرح قطعی ہوتا ہے۔ اس کا عموم تخصیص کا متحمل نہیں بلکہ وہ ایک مستقل حکم ہوتا ہے۔

اس اصول کا تقاضا تھا کہ آیت "فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ" کے عموم کو بھی قطعی مان کر کہا جاتا کہ ہر چھوٹی بڑی ھدی جو بھی بآسانی میسر آسکے قربانی کے کام آسکتی ہے، کیونکہ "فما استیسر" کا لفظ عام ہے اس لئے اس کے مدلول اور مقصود میں بھی عموم اور وسعت کو باقی رکھنا چاہئے۔ لیکن احناف حدیث سے خود ہی تخصیص فرماتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ھدی کے لئے بکرا یا بکرے سے بڑا کوئی جانور ہونا چاہئے۔ کیا یہاں لفظ عام کی قطعیت خاص کی طرح قائم رہی؟

(س) اصول فقہ کی ایک محکم دفعہ یہ بھی ہے کہ "لا عبرۃ بمفهوم الشرط والوصف" یعنی اگر کوئی حکم کسی خاص موقع پر دیا گیا ہو تو اس حکم کے اطلاق میں اس خاص موقع کی خصوصیات اور شرائط کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔ یہ قاعدہ در اصل سلف کے اس مسلک سے نکالا گیا ہے جو انھوں نے آیت "فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا" کے بارے میں اختیار کیا ہے۔ اس آیت کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ آزاد عورت سے نکاح کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے اور بوجہ ناداری اس کے اخراجات کے متکفل نہیں ہوسکتے وہ لونڈی سے نکاح کر سکتے ہیں۔ لیکن متقدمین نے اس شرطِ عدم استطاعت کو قید جواز نہ مانتے ہوئے ذی استطاعت اور صاحب مقدرت انسان کو بھی لونڈی سے نکاح کی اجازت دے دی۔ ان کے اس فتویٰ سے مندرجہ بالا اصول منضبط کر لیا گیا۔

لیکن اونٹ کی زکوٰۃ کے بارے میں یہ لوگ خود اس اصول کو توڑ دیتے ہیں۔ نص کے الفاظ (فی الابل السائمۃ زکوۃ) ہیں جن میں یہی قید شرط مذکور ہے۔ اصولِ مذکورہ کے لحاظ سے چاہئے تھا کہ سائمہ اور غیر سائمہ ہر نوع کے اونٹوں میں زکوٰۃ فرض قرار دی جاتی اور اس لفظ "السائمۃ"

کے مفہوم محکم کو مقید نہ کیا جاتا۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا اور صرف چرنے والے اونٹوں میں زکوٰۃ کی فرضیت کا فتویٰ دیا گیا۔

(د) حدیثِ مصراۃ (جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے) میں ائمۂ سلف نے جو مسلک اختیار کیا تھا اس کے پیشِ نظر متاخرین نے یہ کلی اصول بنالیا کہ جب کوئی غیر فقیہ راوی کسی ایسی حدیث کی روایت کرے جو قیاس سے متصادم ہوتی ہو تو وہ واجب العمل نہ ہوگی۔ مگر انہیں واضعین اصول نے حدیثِ قہقہہ کو جو خلافِ قیاس بھی ہے اور غیر فقیہ راوی کی روایت بھی، واجب العمل مانا اور فتویٰ دیا کہ نماز میں آواز بلند ہنسنے سے نماز ٹوٹنے کے ساتھ ساتھ وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ حالانکہ وضوء اور قہقہہ کا کوئی تعلقِ معنوی اب تک دائرۂ قیاس میں نہیں آسکا۔ اسی طرح افطارِ صوم کے بارے میں بھی یہ اصول پسِ پشت ڈال دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ جب کھانا پینا روزہ کو توڑ دیتے ہیں تو چاہے بھول کر کھایا جائے یا عمداً، بہرحال روزہ ٹوٹ جانا چاہئے۔ لیکن اس کھلے ہوئے قیاس کو انھوں نے ایک ایسی حدیث کی وجہ سے ترک کر دیا جو خلافِ قیاس بھی ہے اور غیر فقیہ راوی کی روایت بھی۔

صاحبِ نظر کے لئے یہ چند اشارات کافی ہیں، ورنہ اس کے شواہد بے شمار ہیں جو بتاتے ہیں کہ ان اصولوں کی حقیقت کیا ہے، اور خود ان کے واضعین نے کس طرح ان کی خلاف ورزی کی ہے۔ پھر جب اس خلاف ورزی پر اعتراض کیا گیا تو اس کا جواب انھوں نے جن تکلفات اور سخن پروریوں کے ساتھ دیا ہے ان کی داستان بھی ہر ناظر ان کی کتابوں میں دیکھ سکتا ہے۔

مسئلہ کی اصل حقیقت بالکل بے نقاب ہو سکتی ہے اگر تم صرف ایک ہی قاعدہ کے متعلق علماء محققین کی تصریحات دیکھ لو۔ وہ فرماتے ہیں کہ شرطِ فقاہت والے اصول میں دو مذہب ہیں۔ ایک تو عیسیٰ ابن ابان کا ہے جن کے نزدیک غیر فقیہ راوی کی روایت ضابط اور عادل ہونے کے باوجود خلافِ قیاس ہونے کی صورت میں ناواجب العمل ہے، اور اکثر متاخرین نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے

دوسرا مذہب امام کرخی کا ہے جن کے نزدیک خبر واحد کے قیاس پر مقدم ہونے کے لئے راوی کا فقیہ ہونا شرط نہیں۔ حدیث بہر حال قیاس کے مقابلہ میں واجب الاتباع ہے۔ بہت سے علماء نے اسی دوسری رائے کو مانا ہے۔ چنانچہ وہ صاف لفظوں میں فرماتے ہیں کہ

"یہ قول (یعنی قول اوّل) ہمارے ائمہ سے منقول نہیں۔ ان سے تو یہ منقول ہے کہ خبر واحد قیاس پر مقدم ہوگی۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ انھوں نے بھول کر کھانے سے روزہ نہ ٹوٹنے کے متعلق حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کو واجب العمل تسلیم کیا ہے حالانکہ روایت قیاس کے خلاف تھی۔ یہاں تک کہ امام ابو حنیفہؒ نے صریحاً فرمایا کہ اگر یہ حدیث نہ ہوتی تو میں قیاس کو اختیار کرتا۔"

خود ان متاخرین کا اکثر تخریجات میں مختلف ہونا اور ایک دوسرے پر اعتراض کرنا ہمارے خیال کی ایک ناقابلِ تردید شہادت ہے۔

(۳) ایک غلط فہمی اور ہے جس کا ازالہ ضروری ہے۔ کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ فقاہت کے لحاظ سے محض دو گروہ ہیں۔ ایک اہل الظاہر۔ دوسرے اہل الرائے۔ اور جو شخص بھی قیاس اور استنباط سے کام لے وہ اہل الرائے میں سے ہے۔ حاشا کہ حقیقت سے یہ انتہائی بے خبری ہے۔ لفظ "رای" کا مفہوم نہ تو نفس عقل و فہم ہے، کیونکہ کوئی عالم اس صفت سے عاری نہیں۔ نہ رائے کا مطلب وہ رائے محض ہے جس کا رشتہ سنت سے منقطع ہو، کیونکہ ایسی رائے کوئی متبع اسلام اختیار نہیں کر سکتا۔ اور نہ رائے سے مقصود قیاس و استنباط کی قدرت ہے، کیونکہ امام احمدؒ اور اسحٰقؒ بلکہ امام شافعیؒ کا بھی بالاتفاق اہل الرائے میں شمار نہیں، حالانکہ وہ قیاس سے بھی کام لیتے ہیں اور مسائل کا استنباط بھی کرتے ہیں۔ رائی اور اہل الرائے کا مفہوم ان تمام سے جداگانہ ہے۔ اہل الرائے کہتے ہیں ان لوگوں کو جنھوں نے جمہور مسلمین کے متفق علیہا مسائل کے بعد فروعی اور اختلافی مسائل میں کسی امام کے اقوال و اصول کو سامنے رکھ کر تخریج و استنباط پر اکتفا کر لیا، اور روایات و آثار کے تتبع سے تقریباً بے نیاز ہو کر

اصول اور قیاس کی مدد سے جزئیات نکالنے لگے۔ وہ حل مسائل کے وقت نصوصِ آثار و سنن کی طرف مراجعت کرنے کے بجائے زیادہ تر یہ دیکھتے ہیں کہ یہ مسئلہ فقہاء کے ٹھہرائے ہوئے اصول میں سے کس اصل کے تحت آتا ہے، اس کے اشباہ و نظائر کیا ہیں، کس مسئلہ کی علت اس میں پائی جاتی ہے۔ ان کے مقابلہ میں ظاہریہ وہ لوگ ہیں جو نہ قیاس سے کام لیتے ہیں اور نہ آثارِ صحابہ اور اقوالِ تابعین سے، جیسے امام داؤد اور ابن حزم۔ ان دونوں گروہوں کے درمیان محققین اہل سنۃ کا گروہ ہے جیسے امام احمد و امام اسحاق۔

یہ بحث اگرچہ اس تفصیل و اطناب کے ساتھ عنوانِ کتاب سے خارج تھی لیکن اس کے باوجود مذہبی فرقہ آرائیوں کی موجودہ خلفشار اور حقیقتِ حال سے عام بے خبری کو دیکھ کر میں نے ضروری سمجھا کہ عدل و توسط کا نقطہ جو ان ہنگاموں میں گم ہو گیا ہے، اس کو افراط و تفریط اور تعصب کی الجھنوں سے نکال کر ارباب نظر کے سامنے پیش کر دوں۔ عدل پسند اور حق طلب کے لئے یہی کافی ہے، متعصب کے لئے کچھ بھی کافی نہیں۔

وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۝

سچ کے بجائے "صدق"

یکم مئی ۳۵ء سے ۲۶×۱۷ ۴ پونڈ سفید چکنے کاغذ پر ہر مہینہ کی یکم۔ گیارہ اور اکیس کو شائع ہوتا ہے۔ ہم کو معلوم ہے کہ صاحب ذوق حضرات جو مولنا عبد الماجد صاحب دریابادی کے طرز انشاء کے عاشق ہیں اور آپ کے مخصوص و دلنشین طرز صحافت کیلئے آپکے اخبار سچ کے بند ہونے کے بعد سے بیتاب تھے۔ اس مژدہ کو صحیح معنوں میں مژدہ سمجھیں گے۔ لہذا شائقین حضرات اپنا اپنا چندہ قیمتی للعہ؎ چار روپیہ جلد روانہ فرما کر خریداران کے رجسٹر میں اپنا نام درج کرلیں ورنہ بعد کو پچھلے پرچے دستیاب نہ ہونے پر پچھتانا پڑیگا۔

"صدق" ہر اعتبار سے سچ سے بڑھا ہوا ہے۔ معنوی حیثیت سے مضامین قرآنی کا اضافہ۔

سالانہ چندہ (للعہ؎) ترسیل زر بنام منیجر اخبار "صدق" ۴۲ ہیوٹ روڈ لکھنؤ